طنز و مزاح کی نوعیت اور پطرس کا ایک فن پارہ

ڈاکٹر محمد طاہر [1]

Abstract

The article throws light on the different views expressed on the reasons and nature of laughter and humor and seek to see as to how the great Urdu humorist Ahmad Shah Patras Bukhari applies different ways of humor to make his write-ups catchy. The humor may be divided into Four catagories i.e. Pure Humor, Satire, Parody and irony. The article focuses on One write-up of Patras "Maibal aur main" taken from his book "Patras Kay Mazameen" in which the great humorist blended all these four types to make his piece of writing witty. A deeper look into the writings of Patras make us realize that it's not the case of the mentioned write-up as each and every piece of writing, included in his book presents the same grip on the natural humor produced by the legendry Urdu writer.

کلیدی الفاظ: طنز، مزاح، مضامین، پطرس بخاری

انسانی فکر کی تاریخ میں مزاح یا ہنسنے سے متعلق ابتدائی طور پر دو نظریات ملتے ہیں۔ان میں سے ایک نظریہ تو یونانی مفکر ارسطو اور انگریز مفکر تھامس ہابز کا ہے جبکہ دوسرا نظریہ جرمن فلسفی امانوئل کانٹ نے پیش کیا۔ارسطو نے ہنسی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ ہنسی کسی کمی یا بد صورتی کو دیکھ کر وجود میں آتی ہے جو درد انگیز نہ ہو۔سترہویں صدی کے مفکر ہابز نے ارسطو کے نظریے کی تائید ان الفاظ میں کی:

> ''ہنسی کچھ نہیں سوائے اس جذبہ افتخار یا احساس برتری کے جو دوسروں کی کمزوریوں یا اپنی گزشتہ خامیوں سے تقابل کے باعث معرضِ وجود میں آتا ہے۔''(۱)

1 اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، ایف سی کالج یونیورسٹی، لاہور

بنیادی طور پر ارسطو کا نظریہ کمتری اور ہابز کا نظریہ برتری ایک ہی نظریے کے دو مختلف بیانیے ہیں کیونکہ ہنسی چاہے دوسروں کی بدصورتی یا کمزوری سے تحریک پائے یا اس بدصورتی اور کمزوری کے باعث احساس برتری در آئے، بہر حال وہ دوسروں کی کمزوریوں اور خامیوں سے ہی تحریک پائے گی۔ ہنسی کے متعلق دوسرا نظریہ امانوئل کانٹ کا ہے جو کہتا ہے کہ ہنسی اس وقت وارد ہوتی ہے جب کوئی چیز ہوتے ہوتے رہ جائے اور ہماری تمام توقعات ایک غبارے کی مانند یک لخت پھٹ کر ختم ہو جائیں۔**(۲)**

آسان الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانی توقعات ایک غبارے میں ہوا کے مانند لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی ہوتی ہیں۔ انسان نہایت بے تابی اور بے چینی سے ایک خاص نتیجے تک پہنچنے ہی والا ہوتا ہے کہ اچانک غبارے میں ایک سوراخ پیدا ہوتا ہے اور انسانی امیدوں اور توقعات کا سارا دباؤ غبارے کو پھلانے کے بجائے اس راستے سے نکل جاتا ہے اور ہم کہتے ہیں: ''ہنسی پھوٹ نکلی''۔

شوپنہار بھی متذکرہ بالا نظریہ کی حمایت کرتا ہے۔ اس کے مطابق ہنسی تخیل اور حقیقت کے مابین ناہمواری کے وجود کو اچانک محسوس کر لینے سے جنم لیتی ہے۔ وہ کہتا ہے یہ ناہمواری جتنی خلاف توقع ہو گی، اتنی ہی شدید ہنسی پھوٹے گی۔

بیسویں صدی سے قبل ہربرٹ اسپنسر، جوزف ایڈیسن، الیگزینڈر بین اور پروفیسر لپس نے بھی مزاح پر بات کی تاہم ان مفکرین کی بحث مذکورہ بالا دو نظریات کے گرد ہی گھومتی رہی۔

بیسویں صدی کے آغاز میں پروفیسر سلی کی معروف تصنیف An Essay on Laughter منصہ شہود پر آئی جس میں پروفیسر صاحب نے ہنسی کی وجوہ میں گد گدی، انتہائی مسرت اور عملی مذاق پر کھل کر گفتگو کی اور قابل تمسخر عوامل میں اخلاقی عیوب، انوکھا پن، جسمانی نقائص، بے قاعدگی، پھبتی اور بے حیائی وغیرہ کا تفصیل سے ذکر کیا۔ اسی دور میں فرانسیسی فلسفی ہنری برگساں (۱۹۴۱ء۔۱۸۵۹ء) نے اپنی کتاب (Laughter) اور آسٹرین نفسیات دان سگمنڈ فرائڈ (۱۹۳۹ء۔۱۸۵۶ء) نے (Wit and its Relation To the Unconscious) میں مزاح پر تفصیلی روشنی ڈالی اور اس انسانی جبلت کے مختلف گوشوں پر گفتگو کی۔

برگساں کہتا ہے زندگی تحرک اور تغیر سے عبارت ہے اور جمود زندگی کی موت ہے۔ زندگی برق

رفتار گھوڑے کے مانند اپنے آفاق کی تلاش میں آگے سے آگے بڑھتی چلی جاتی ہے اور کسی ایک مقام پر رکنے، پلٹ کر دیکھنے اور کسی شے کو بار دیگر پیش کرنے سے اجتناب برتتی ہے۔ پھر بھی تحرک اور لچک سے مزین یہ زندگی اگر کسی مقام پر ٹھہراؤ، جمود اور میکانکی عمل کا منظر پیش کرے تو ہماری ہنسی کو بے اختیار تحریک مل جاتی ہے اور ہم مسکرا اٹھتے ہیں۔

سگمنڈ فرائڈ کے مطابق مزاح کی چار اقسام ہیں۔ بے ضرر لطائف، افادی لطائف، مضحک اور خالص مزاح۔ فرائڈ کا مزاح سے متعلق یہ تصور اتنا جامع تھا کہ اس کے بعد نصف صدی تک مزاح کے متعلق جتنے بھی نظریات پیش ہوئے ان کی بنیاد کم و بیش یہی چار عوامل رہے۔ مثال کے طور پر ۱۹۳۷ء میں ایسٹ مین نے اپنی کتاب (Enjoyment and Laughter) میں مزاح کے درج ذیل چار نکات بیان کیے:

۱۔ اشیا صرف اس وقت مزاحیہ رنگ اختیار کرتی ہیں جب ہم خود مزاح کے موڈ میں ہوں۔ اگر ہم بہت سنجیدہ ہوئے تو مزاح کا نام و نشان تک نہیں ملے گا۔

۲۔ جب ہم مزاح کے موڈ میں ہوتے ہیں تو خوشگوار چیزوں کے ساتھ ساتھ ناخوشگوار چیزیں بھی اچھی لگتی ہیں۔

۳۔ ہنسی کھیل کا رجحان بچپن کا امتیازی نشان ہے اور بچوں کی ہنسی انسان کی حسِ مزاح کی سادہ ترین مثال ہے۔

۴۔ بچپن گزرنے کے بعد بھی ہنسی کھیل کا یہ رجحان کسی نہ کسی صورت میں ضرور ملتا ہے اور ہم ناخوشگوار اشیا کو مزاحیہ رنگ میں دیکھنے اور ان سے محظوظ ہونے کی صلاحیت پیدا کر لیتے ہیں۔**(۳)**

بالائی سطور میں ہنسی اور مزاح کے متعلق مختلف مفکرین کے نظریات کا اجمالی جائزہ پیش کیا گیا۔ آج ہنسی اور مزاح کا یہ موضوع اتنی وسعت اختیار کر چکا ہے کہ وہ انسانی جبلت جس کو بیان کرنے کیلئے قدیم مفکرین کے پاس چند جملوں کے علاوہ کچھ نہ تھا، آج نا صرف ایک ''با قاعدہ مطالعے'' کا درجہ حاصل کر چکی ہے بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے مخفی پہلو ابھرتے چلے آ رہے ہیں اور ہمارا مزاح اس مقام تک جا پہنچا ہے جہاں سے پلٹ کر ہم انسان کی سنجیدہ زندگی پر یوں بے نیازی سے نگاہیں ڈال سکتے ہیں جیسے ایک بوڑھا اپنے

گزرے شباب کو یاد کرتا ہے تو جوانی کی حیران زدہ سنجیدگی اور جذباتیت سے بھرپور واقعات پر مسکرا اٹھتا ہے۔ارتقائی منازل طے کرتے کرتے آج مزاح نے یاس کے گلے میں باہیں ڈال دیں ہیں۔اب جہاں یاسیت مزاح کو بے اختیار ہو کر قہقہے لگانے سے باز رکھتی ہے وہاں مزاح بھی یاس کو ہچکیوں میں تبدیل ہونے سے بچائے رکھتا ہے۔ سٹیفن لی کاک اپنی تصنیف ہیومر اینڈ ہومینیٹی پر لکھتا ہے:۔

''''ان دو دھاتوں کا یہ حیرت انگیز ملاپ ہے۔ایک بہت سخت دوسری بہت نرم۔دنیا میں آنسوؤں کی فراوانی ہے لیکن یہ کتنی خوفناک جگہ ہوتی اگر یہاں آنسوؤں کے علاوہ کچھ نہ ہوتا۔''(۴)

مزاح کی اہمیت، ہنسی کے پس پشت مختلف نظریات اور وحشی سے مہذب انسان تک مزاح کے تدریجی ارتقاسے واقفیت کے بعد اگلی اہم چیز مزاح نگاری ہے۔مزاحیہ اور طنزیہ ادب کی چار بنیادی اقسام ہیں۔ خالص مزاح(Humour)،طنز(Satire)، تحریف(Parody)اور رمز(Irony)

سب سے پہلے جانتے ہیں کہ مزاح کیا ہے؟معروف کینڈین استاد اور مزاح نگار اسٹیفن لی کاک نے ''خالص مزاح کیا ہے؟''کا جواب کچھ یوں دیا ہے:

''مزاح، زندگی کی ناہمواریوں کے اس ہمدردانہ شعور کا نام ہے جس کا فنکارانہ اظہار ہو جائے۔''(۵)

مزاح کی اس تعریف میں موجود الفاظ ''فنکارانہ اظہار'' دراصل مزاح کے خالق کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور مزاح نگار کیلئے کچھ اصول مرتب کرتے ہیں۔

الف: مزاح نگار اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے زندگی کے ان گوشوں، پہلوؤں، زاویوں، ناہمواریوں اور مضحک کیفیات سے بھی لطف اندوز ہوتا ہے جن تک ایک عام انسان کی رسائی مشکل ہوتی ہے

ب: مزاح نگار ان کیفیات کا مشاہدہ کرنے کے بعد استہزائی کیفیت میں مبتلا ہونے کے بجائے ان کیفیات سے لطف اندوز ہوتا ہے اور زندگی کے نشیب و فراز پر کڑھنے کے بجائے ان سے حظ اٹھاتا ہے

ج: مزاح نگار دوسروں کو اپنے تجربے میں شامل کرنے کیلئے ان کیفیات کو فنکارانہ انداز میں لوگوں کے

سامنے لاتا ہے اور اپنے انداز کو حتی المقدور سپاٹ ہونے سے بچاتا ہے۔

خالص مزاح کے بعد دوسرا اہم عنصر طنز ہے۔ امریکی مصنف رونالڈ ناکس مزاح اور طنز کے فرق کو یوں واضح کرتا ہے:

''مزاح نگار ہرن کے ساتھ بھاگتا ہے لیکن طنز نگار کتوں کے ساتھ شکار کھیلتا ہے۔''(۲)

مزاح نگار کے برعکس طنز نگار زندگی کی ناہمواریوں سے ناصرف استہزائی رویہ برتتا ہے بلکہ اس کے لہجے سے ان ناہمواریوں کیلئے نفرت بھی جھلکتی ہے تاہم طنز کے کئی ایک مدارج ہیں۔ اگر اس کا نشانہ ایک فرد ہو تو اس کا مقصد سوائے تمسخر اور کچھ نہیں اور اگر یہی طنز معاشرے کی مستقل حماقتوں اور عالم گیر ناہمواریوں پر کی جائے تو وہ انسان کو انسانیت سکھانے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

موازنہ، زبان و بیان کی بازیگری، مبالغہ، مزاحیہ صورتحال یا صورت واقعہ، مزاحیہ کردار اور پیروڈی یا تحریف وہ اہم عناصر ہیں جن کے ذریعے عمدہ مزاح تخلیق پاتا ہے۔ طنز بھی اپنی پیش کاری کیلئے یہی حربے استعمال کرتی ہے تاہم مزاح کے برعکس طنز میں ''نشتریت'' یا طعنے کا پہلو غالب رہتا ہے۔

طنز اور مزاح کو سمجھنے کے بعد اب بات کرتے ہیں پیروڈی یا تحریف کی۔ دراصل پیروڈی یا تحریف کسی تصنیف یا کلام کی ایسی لفظی نقالی کو کہا جاتا ہے جو حالات زمانہ کا مضحکہ اڑاتی، کسی بلند پایہ مضمون کو خفیف مضمون میں تبدیل کرتی یا محض لفظی تبدیلیوں سے تفریح طبع کا سامان بہم پہنچاتی ہے۔ پیروڈی صرف مزاح سے متعلق ہی نہیں بلکہ طنز نگار بھی اس سے استفادہ کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تحریف یا پیروڈی آج ناصرف ایک الگ صنف ادب کا درجہ حاصل کر چکی ہے بلکہ ایک علیحدہ مطالعہ کی متقاضی بھی ہے۔

مزاح کے قبیلے کا ایک اور اہم رکن ''رمز'' ہے۔ اس کا طریق کار یہ ہے کہ مخالف کے دلائل، نظریات اور استدلال کو بظاہر تسلیم کرتے ہوئے یوں بیان کیا جائے کہ اس کے کمزور پہلو نمایاں ہو کر سامنے آجائیں۔ آج ''رمز'' ادب میں ایک مستقل اور اہم مقام حاصل کر چکی ہے۔

اردو زبان و ادب کے معروف مزاح نگار احمد شاہ پطرس بخاری کا اختصاص یہ ہے کہ زیر نظر صنف پر فاضل ادیب کی ایک مختصر تصنیف ''پطرس کے مضامین'' میں طنز و مزاح کے تمام تر متذکرہ عوامل اپنی مکمل چکاچوند، ترشی، اور شیرینیت کے ساتھ موجود ہیں۔ پطرس بخاری اُردو مزاح کی تاریخ کا وہ نام ہے جو اپنے

اسلوب اور انداز کا موجد بھی تھا اور خاتم بھی۔ وسیع انگریزی مطالعہ ہونے کے باعث پطرس نے اپنے مزاح کو بھرپور بنانے کے لیے مغربی مزاح نگاروں کے اسلوب سے بہت کسبِ فیض کیا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا رنگِ تحریر مقامیت سے ناآشنا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مشرق و مغرب کے حسین امتزاج سے اُنھوں نے اُردو مزاح کو ایک نئی راہ دکھائی۔ چونکہ طبیعت میں شائستگی اور شگفتگی کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی تھی اس لیے ان کا مزاح کسی موقع پر بھی تہذیب کے دائرہ سے نہیں ہٹتا اور نہ ہی وہ مزاح پیدا کرنے کے لیے سستے لطیفوں کا سہارا لیتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ اپنے بیانیے سے سادہ سی بات اور صورتِ حال کو بھی پُر لطف بنا دیتے ہیں۔ اسی پُر وقار مگر پُر لطف اسلوب نے (پطرس کے مضامین) کے عنوان سے شائع ہونے والی مختصر سی کتاب کو لازوال بنا دیا۔

بالعموم سید احمد شاہ بخاری پطرس صرف کو بطور مزاح نگار یاد کیا جاتا ہے لیکن ان کی خدمات کا دائرہ کار اس سے کہیں زیادہ پھیلا ہوا ہے۔ ادبی حوالے سے بات کی جائے تو پطرس نہ صرف ایک بے مثل مزاح نگار تھے بلکہ انھوں نے مغربی ادب کے بہت سے فن پاروں کا ترجمہ بھی کیا۔ اسی طرح اگرچہ انھوں نے تنقیدی تحریروں کا مجموعہ مرتب نہیں کیا لیکن ان کے تنقیدی مضامین مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ ایک صاحبِ اسلوب نثر نگار ہونے کے ناطے ان کے خطوط بھی اہمیت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور ان کے خطوط پر مشتمل ایک مجموعہ بھی اب شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ پطرس کو فنِ خطابت میں بھی کمال ملکہ حاصل تھا۔ بین الاقوامی فورموں پر ان کی تقاریر کو صرف منطقی اور مدلل ہونے کے باعث نہیں بلکہ شگفتگیِ بیان کا ایک اعلیٰ نمونہ ہونے کے ناطے سے بھی بڑے ذوق و شوق سے سنا جاتا تھا۔ ان کی تقاریر کا ایک مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

پطرس بخاری اُردو زبان کے اُن ادباء میں سے ایک ہیں جن کا سرمایہ ادب بہت کم ہونے کے باوجود قطعاً ناقابلِ فراموش ہے۔ بلاشبہ انھوں نے مقدار پر معیار کو ترجیح دی۔ ''پطرس کے مضامین'' ان کے چند مختصر مضامین کا مجموعہ ہے لیکن اسے بلا مبالغہ سراپا انتخاب کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس کا ہر صفحہ مزاح اور مسکراہٹوں سے بھرپور ہے۔

پطرس محض مزاح برائے مزاح کے قائل نہ تھے۔ وہ ہمیشہ اس اظہاری انداز کو معاشرتی اصلاح کے

لیے استعمال کرتے تھے۔ پطرس کے مضامین میں سے کوئی بھی اُٹھا لیجیے، ہر ایک میں کسی نہ کسی صورت میں معاشرتی اصلاح کا پہلو نکل ہی آئے گا۔ ''میبل اور میں'' بھی ایسا ہی ایک مضمون ہے۔

مصنف بتاتا ہے کہ کیمبرج یونیورسٹی میں قیام کے دوران وہ اپنی ایک دوست میبل کے سامنے عموماً اس لیے شرمندہ رہتا تھا کہ مصنف کے خیال میں اس کا مطالعہ بہت وسیع تھا جبکہ مصنف اس کے مقابلے میں بہت کم علم تھا۔ ایک مرد ہونے کے باوجود ایک عورت کے سامنے احساسِ کمتری مصنف کے لیے قابلِ برداشت نہ تھا چنانچہ اپنی شرمندگی پر قابو پانے کے لیے اس نے کتابیں پڑھے بغیر ان پر رائے زنی شروع کر دی۔ پھر اپنی کم علمی کا اعتراف کر لینے کے بعد اس پر یہ عقدہ کھلا کہ میبل بھی اس کے ساتھ جھوٹ ہی بولتی تھی۔ تب اسے احساس ہوا کہ عورت اور مرد اس لیے برابر ہوں یا نہ ہوں کہ یہ بیسویں صدی کا جدید دور تھا، اس لیے برابر ضرور ہیں کہ دونوں ایک ہی طرح سے دوسرے کو دھوکا دیتے ہیں۔

دراصل پطرس نے اس قصے کے ذریعے ہمارے اس رویے کی نشاندہی کی ہے جس کے مطابق ہم دوسروں کو مرعوب کرنے کے لیے بعض اوقات ان خصوصیات کا دعویٰ بھی کر بیٹھتے ہیں جو ہم میں نہیں ہوتیں۔ حالانکہ کسی بھی کمی کا اعتراف جھوٹ بولنے سے بہت بہتر ہوتا ہے۔ ایسا کرنے سے ہم کم از کم جھوٹ بولنے کی کوفت سے بچ جاتے ہیں اور اپنے ضمیر کے سامنے گناہگار بھی نہیں ہوتے۔ یہ تصور عام ہے کہ کسی کو مرعوب کرنے کے لیے اس پر اپنی علمیت کا رعب ڈالا جائے۔ یہ معاملہ مشرق یا مغرب کا نہیں، دنیا کے ہر خطے میں یہ فطری احساس پایا جاتا ہے۔ مضمون میں مصنف کو بھی ایسی ہی صورتِ حال درپیش تھی۔ وہ کہتا ہے:

> ''۔۔۔ میبل ایک دن دس بارہ کتابیں خریدتی اور ہفتہ بھر کے بعد انھیں میرے کمرے میں پھینک دیتی اور یہ کہہ جاتی کہ میں انھیں پڑھ چکی ہوں، تم بھی پڑھ چکو گے تو ان کے متعلق بات کریں گے۔''(۷)

ظاہر ہے یہ انداز دوسرے کے لیے شکستگی کا باعث بنے گا کہ ہفتے بھر میں دس بارہ کتابیں پڑھ لینا اور پھر فاتحانہ انداز میں انھیں دوسرے کی طرف اچھال دینا کہ وہ بھی پڑھ لے۔ خاص طور پر اگر مطالعہ کر لینے والی صنفِ نازک ہو اور مدِ مقابل کوئی مرد تو صورتِ حال بڑی دلچسپ بن جائے۔ ایسا ہی کچھ ''میبل اور میں'' میں ہوتا ہے۔ اسی لیے مصنف کہتا ہے:

''۔۔۔۔ یہ احساس میرے لیے بہت زیادہ تکلیف دہ تھا کہ میبل کا مطالعہ مجھ سے بہت وسیع تھا۔اس سے میرے مردانہ وقار کو صدمہ پہنچتا تھا۔''(۸)

مرد وزن میں برتری کی دوڑ اور مساوات کے نعرے انسانی تاریخ میں طویل عرصے سے سُنے جا رہے ہیں۔ مرد خود کو برتر تصور کرتا ہے (بالخصوص مشرقی مرد) اور عورت اپنی طاقت کو منوانے کے لیے (بالخصوص مغربی عورت) انسانی مساوات کا راگ الاپتی ہے۔ یہ کش مکش دونوں کے تعلق میں ہمیشہ مختلف مسائل کا باعث بنتی ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ دورِ جدید میں پلے بڑھے ہونے کے باوجود دونوں میں اپنے اپنے فطری میلانات واضح طور پر موجود تھے۔بقول مصنف:

''۔۔۔میری مردانہ روح میں اس احساس فتح مندی سے بالیدگی سی آگئی تھی۔اب میں اس (میبل) کیلئے کرسی خالی کرتا یا دیا سلائی جلاتا تو عظمت و برتری کے احساس کے ساتھ جیسے ایک تجربہ کار تنو مند نوجوان ایک نادان کمزور بچی کی حفاظت کر رہا ہو۔ صراط مستقیم پر چلنے والے میرے اس فریب کو نہ سراہیں تو نہ سراہیں لیکن میں کم از کم مردوں کے طبقے سے اس کی داد ضرور چاہتا ہوں۔''(۹)

یہ احساسات خالصتاً ایک مشرقی مرد کی سوچ کے عکاس ہیں ادھر میبل مغربی عورت ہونے کے ناطے حقوقِ نسواں کی علم بردار تھی بلکہ کئی مرتبہ مردوں کو خود سے کم تر قرار دینے لگتی تھی۔ مصنف کے الفاظ میں:

''میبل عورت مرد کی مساوات کا اظہار مبالغہ کے ساتھ کرتی تھی، یہاں تک کہ بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ عورتوں کو کائنات کی رہبر اور مردوں کو حشرات الارض سمجھتی ہے۔''(۱۰)

اس موقع پر پطرس ہلکے پھلکے انداز میں دونوں رویوں کے منفی پہلوؤں کو اجاگر کر رہے ہیں۔ مرد اپنی برتری کے زعم میں بہت آگے نکل جاتے ہیں جبکہ عورتیں ان کے احساسِ برتری کو دباتے دباتے مرد وزن کے تعلق کا توازن اپنے حوالے سے خراب کر بیٹھتی ہیں۔ یہی ماجرہ مصنف اور میبل کے درمیان تھا۔ دونوں اگر اپنے اس رویے کے برخلاف عمل کرنا بھی چاہیں تو وہ اپنی عادات میں اس قدر پختہ ہو چکے ہوتے ہیں کہ ان کے لیے تبدیلی کو ہضم کرنا بھی آسان نہیں ہوتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مضمون میں مصنف کو مرد ہوتے ہوئے بھی اپنی کم

علمی کے باعث میبل کے سامنے انکساری کا مظاہرہ کرنا پڑتا تو یہ عمل اس کے لیے فطری نہیں بلکہ شرمندگی کا باعث بنتا۔ اپنی اس صورتِ حال کا بیان مصنف کچھ یوں کرتا ہے:

''جب تک وہ میرے کمرے میں بیٹھی رہتی میں کھسیانا سا ہو کر اس کی باتیں سنتا رہتا۔''(۱۱)

دوسری طرف ایسی عورت جو صنفی مساوات کی قائل ہو اور اسے موقع مل جائے کہ وہ کسی مرد پر اپنی برتری ثابت کر سکے تو وہ بھی عدم توازن کا شکار ہو جاتی ہے۔ میبل کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ حالانکہ وہ خود بھی اصلاً وسیع المطالعہ نہ تھی لیکن مصنف کی کمزوری ہاتھ لگ جانے کے نتیجہ میں خود کو برتر ثابت کرنے کا کوئی موقع وہ بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھی اور مصنف کو ہر لمحہ اس کی کمتری اور کم علمی کا احساس دلاتی تھی۔ بقول پطرس:

''وہ نہایت عالمانہ انداز میں بھویں اُوپر کو چڑھا کر باتیں کرتی۔ جب میں اس کے لیے دروازہ کھولتا۔ یا اس کے سگریٹ کے لیے دیا سلائی جلاتا یا اپنی سب سے زیادہ آرام دہ کرسی اس کے لیے خالی کر دیتا تو وہ میری خدمات کو حقِ نسوانیت نہیں بلکہ حقِ اُستاد سمجھ کر قبول کرتی۔''(۱۲)

بہر حال جھوٹ زیادہ دیر تک چل نہیں پاتا اور حقیقت آشکار ہو ہی جاتی ہے۔ مصنف کو جھوٹ کی ندامت حقیقت کا اعتراف کر لینے پر مجبور کر دیتی ہے اور کتابوں کے جڑے ہوئے صفحات میبل کا پول کھول دیتے ہیں۔ یوں اخلاقی اعتبار سے دونوں برابر کے مجرم نکلتے ہیں۔

''میں نے کہا: ''ایک تائب انسان کو اپنی اصلاح کا موقع تو دو۔ میں نے ان کتابوں کو اب تک نہیں پڑھا لیکن اب میں انھیں پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ انھیں یہیں رہنے دو۔ تم انھیں پڑھ چکی ہو۔'' کہنے لگی: ''ہاں میں تو پڑھ چکی ہوں۔ اچھا میں یہیں چھوڑ جاتی ہوں۔'' اس کے چلے جانے کے بعد میں نے ان کتابوں کو پہلی دفعہ کھولا۔ تینوں میں سے کسی ایک کے بھی ورق تک نہ کٹے تھے۔ میبل نے بھی انھیں ابھی تک نہ پڑھا تھا۔ مجھے مرد اور عورت دونوں کی برابری میں کوئی شک باقی نہ رہا۔''(۱۳)

المختصر! پطرس شگفتہ انداز میں ہمارے ایک منفی معاشرتی رویے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ان کے لہجے میں نہ کہیں تلخی آتی ہے اور نہ ہی وہ کسی کو شرمندہ کرتے ہیں۔ خود کو شریکِ واقعہ کر کے طنز کی ساری کڑواہٹ خود پی جاتے ہیں اور پڑھنے والے کے لیے صرف سیکھنے کی مٹھاس باقی رہ جاتی ہے۔

شگفتگی بیان پر قدرت، خود پر طنز کی ہمت، جزیات نگاری اور اصلاحی انداز پطرس بخاری کی وہ اہم خصوصیات ہیں جن کی بنا پر اس مضمون کو اُردو مزاح کے چند نمائندہ فن پاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ پطرس بخاری کو شگفتگی بیان پر جو ملکہ حاصل تھا، ''میبل اور میں'' اس کی عمدہ مثال ہے۔یعنی کسی موقع پر بھی ان کی تحریر خشک اور سپاٹ نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ بوجھل ناصحانہ انداز اپناتے ہیں۔ شروع سے آخر تک قاری مصنف کے رویے سے محظوظ ہوتا ہے اور آخر میں یہ عُقدہ کھُلتا ہے کہ تہذیب اور شائستگی کا مرقع، میبل بھی اتنی ہی کھوکھلی تھی جتنا کہ خود مصنف۔یوں ہمارے ایک عمومی رویے پر بھی بات ہو جاتی اور اس منفی رجحان کی نشاندہی بھی ہو جاتی ہے جو زندگی میں کسی بھی وقت ہمارے لیے شرمندگی کا باعث بن سکتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ دوسروں پر طنز کی ہمت وہی رکھتا ہے جس کو خود پر طنز کی جرأت ہو۔ پطرس اس حقیقت سے باخوبی آشنا تھے۔یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں بھی انھیں کسی معاشرتی رویے پر تنقید کرنا ہوتی تھی وہ خود کو بطور کردار اس تنقید کا ہدف بنا لیتے تھے۔ان کے مضامین ''مرحوم کی یاد میں'' اور ''مرید پور کا پیر'' ہی اس حقیقت کا ثبوت نہیں، ''میبل اور میں'' بھی اس امر پر دال ہے۔اس مضمون میں وہ مردوں کے مردانہ زعم پر تنقید کر رہے ہوں یا اپنی برتری قائم رکھنے کے چکر میں مردوں کی منافقت کی بات ہو، وہ پہلے خود پر طنز کے تیر چلاتے ہیں اور خود کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں پھر اس بات کا اطلاق مردوں پر کرتے ہیں۔ان کا یہی انداز انھیں دیگر بہت سے مزاح نگاروں سے الگ کرتا ہے۔

> ''خواتین میری اس حرکت کے لئے مجھ پر دُہری لعنت بھیجیں گی کہ ایک تو میں نے مکاری اور جھوٹ سے کام لیا اور دوسرے ایک عورت کا دھوکا دیا۔ان کی تسلی کیلئے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ یقین مانیے کہ کئی دفعہ تنہائی میں میں نے اپنے آپ کو برا بھلا کہا۔ بعض اوقات اپنے آپ سے نفرت ہونے لگتی۔ساتھ ہی اس بات کا بھلانا مشکل ہو گیا کہ میں غیر پڑھے ہی علمیت جتاتا رہتا ہوں۔ میبل تو یہ سب کتابیں پڑھ چکنے کے بعد یہ گفتگو کرتی ہے تو بہر حال اس کو مجھ پر تفوق تو ضرور حاصل ہے۔ میں اپنی کم علمی ظاہر نہیں ہونے دیتا لیکن حقیقت تو یہی ہے نا کہ میں وہ کتابیں نہیں پڑھتا۔میری جہالت اس کے نزدیک نہ سہی میرے اپنے نزدیک تو مسلم ہے۔اس خیال سے اطمینان قلب پھر مفقود ہو جاتا اور اپنا آپ عورت کے مقابلے میں پھر حقیر نظر آنے لگتا۔''(۱۴)

جزیات نگاری کا مطلب ہے ہر بات کے تمام پہلوؤں کی وضاحت کی جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پطرس مختصر بات کرنے کے باوجود کسی بھی بات کی تمام تفصیلات فراہم ضرور کرتے ہیں۔ یہی تفصیلات ان کے بیان کو مؤثر بنا دیتی ہیں۔ مضمون ''میبل اور میں'' کے آغاز میں مصنف اور میبل میں پائی جانے والی مشترک خصوصیات کی مکمل وضاحت کی گئی ہے۔ اسی طرح جب مصنف میبل کو دھوکہ دینا سیکھ لیتا ہے تو بتایا گیا ہے کہ وہ ناول کے متعلق سوال پر کس طرح کا جواب دیتا تھا اور ڈرامے کے متعلق سوال پر اس کا ردِ عمل کیسا ہوتا تھا۔ یا تنقیدی موضوعات پر وہ کیسا جواب داغتا تھا۔ حالانکہ ان تمام جوابات کا لبِ لباب یہی تھا کہ :

> ''جو کتابیں میں نے نہیں پڑھیں ان پر بھی میں نے رائے زنی شروع کر دی، لیکن جو کچھ کہتا! سنبھل سنبھل کر کہتا تھا۔ تفصیلات کے متعلق کوئی بات منہ سے نہ نکالتا تھا، سرسری طور پر تنقید کرتا تھا اور بڑی ہوشیاری اور دانائی کے ساتھ اپنی رائے کو جدت کا رنگ دیتا تھا۔''(۱۵)

لیکن اس بیان میں وہ اثر نہیں جو اس کی تفصیلات کے باعث پیدا ہوتا ہے۔

''کسی ناول کے متعلق میبل نے مجھ سے پوچھا تو جواب میں نہایت لاابالیانہ کہا:

''ہاں اچھی ہے لیکن کچھ ایسی اچھی بھی نہیں۔ مصنف سے دور جدید کا نقطہ نظر کچھ نبھ نہ سکا لیکن پھر بھی بعض نکتے نرالے ہیں۔ بری نہیں بری نہیں۔''

کنکھیوں سے میبل کی طرف دیکھتا گیا لیکن اسے میری ریاکاری بالکل معلوم نہ ہونے پائی۔ ڈرامے کے متعلق کہا کرتا تھا:

''ہاں پڑھا تو ہے لیکن ابھی تک میں یہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ جو کچھ پڑھنے والے کو محسوس ہوتا ہے، وہ اسٹیج پر جا کر بھی باقی رہے گا یا نہیں؟ تمہارا کیا خیال ہے؟''

اور اس طرح سے اپنی آن بھی قائم رہتی اور گفتگو کا بار بھی میبل کے کندھوں پر ڈال دیتا۔

تنقید کی کتابوں کے بارے میں فرماتا:

> ''اس نقاد پر اٹھارہویں صدی کے نقادوں کا کچھ کچھ اثر معلوم ہوتا ہے لیکن یوں ہی نامعلوم سا کہیں کہیں۔ بالکل ہلکا سا اور شاعری کے متعلق اس کا رویہ دلچسپ ہے۔ بہت

دلچسپ۔ بہت دلچسپ۔''(۱۶)

پطرس کے مزاح کا اہم ترین پہلو یہی ہے کہ وہ تمسخر اُڑانے کے لیے مزاح نگاری نہیں کرتے تھے۔ ان کے ہر مزاح میں کہیں نہ کہیں اصلاح کا پہلو ضرور موجود ہوتا تھا۔ وہ ہمیشہ تعمیر کی بات کرتے تھے تخریب یا تضحیک کبھی ان کا مقصد نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ''میبل اور میں'' میں بھی ہر اس موقع پر جہاں وہ مصنف کے منفی ہتھ کنڈوں کا تذکرہ کرتے ہیں وہیں یہ وضاحت بھی ضرور ہوتی ہے کہ بہر حال مصنف جانتا تھا کہ اس کا یہ رویہ منفی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مصنف نے کم علمی کے باعث اپنی شرمندگی کو چھپانے کا فیصلہ کر لیا تو یہ اعتراف ضرور کیا کہ :

> ''جان یامال کا ایثار سہل ہے، لیکن آن کی خاطر نیک سے نیک انسان بھی ایک نہ ایک دفعہ تو ضرور ناجائز ذرائع کے استعمال پر اُتر آتا ہے۔ اسے میری اخلاقی پستی سمجھیے لیکن یہی حالت میری بھی ہو گئی۔۔۔۔''(۱۷)

اِسی طرح علالت کے دوران مصنف کا احساسِ شرمندگی اور بالآخر میبل کے سامنے کیا جانے والا اعتراف اس حقیقت کا عکاس ہے کہ مصنف اپنے اس رویے کی تشہیر نہیں بلکہ اس پر تنقید ہی چاہتا ہے جسے موثر بنانے کے لیے مزاح کا سہارا لیا گیا ہے۔

المختصر! اپنے وسیع مطالعہ سے پطرس نے یہی سیکھا کہ جو کچھ بھی کہا جائے وہ سنجیدگی اور تدبر کے عین مطابق ہونا چاہیے، انسان کو کبھی کسی صورتِ حال میں بھی شائستگی کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے، اپنی بات موئثر انداز میں کہنی چاہیئے اور معاشرتی اصلاح کے لیے اپنے طور پر وہ سب کچھ کرنا چاہیئے جو وقت کی ضرورت ہو۔ دراصل اسی فہم و فراست نے ان کے مزاحیہ اسلوب کو موئثر اور زندہ اسلوب بنا دیا۔

ان اوصاف کی جھلک ''میبل اور میں'' میں ہی نہیں، مضامینِ پطرس کی ہر تحریر انہی رنگوں سے تصویر ہوئی ہے۔ ''میبل اور میں''ہی نہیں، ہاسٹل میں پڑھنا، سویرے جو کل آنکھ میری کھلی، کتے، اردو کی آخری کتاب، میں ایک میاں ہوں، مرید پور کا پیر، انجام بخیر، سینما کا عشق، مرحوم کی یاد میں اور لاہور کا جغرافیہ گویا تمام تحریریں خالص مزاح، طنز، تعریض، تحریف، تطہیر، اور رمزیت سے بھرپور ہے۔ بسااوقات ایک اقتباس بھی مزاح کے تمام تر عناصر کا بہترین مرقع بن جاتا ہے۔ تصنیف کے ''دیباچہ'' کے بین السطور طنز و مزاح کے

متذکرہ عناصر کا بہترین مونتاژ دیکھا جاسکتا ہے۔

''اگر یہ کتاب آپ کو کسی نے مفت بھیجی ہے تو مجھ پر احسان کیا ہے۔
اگر آپ نے کہیں سے چرائی ہے تو میں آپ کے ذوق کی داد دیتا ہوں۔
اپنے پیسوں سے خریدی ہے تو مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔
اب بہتر یہی ہے کہ آپ اس کتاب کو اچھا سمجھ کر اپنی حماقت کو حق بجانب ثابت کریں۔
ان مضامین کے سب کردار خیالی ہیں۔
حتیٰ کہ جن کے لیے وقتاً فوقتاً واحد متکلم کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے وہ بھی ''ہر چند کہیں کہ ہیں نہیں ہیں''
آپ تو اس نکتے کو اچھی طرح سمجھتے ہیں، لیکن کئی پڑھنے والے ایسے بھی ہیں جنھوں نے اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ان کی غلط فہمی اگر دور ہو جائے تو کیا حرج ہے۔
جو صاحب اس کتاب کو کسی غیر ملکی زبان میں ترجمہ کرنا چاہیں وہ پہلے اس ملک کے لوگوں سے اجازت حاصل کر لیں۔''**(۱۸)**

کہا جاتا ہے کہ مزاح کے عناصر کو پارہ پارہ کر دینے سے تصویر کے رنگ بکھر جاتے ہیں تاہم منقولہ دیباچے کی تفسیر و تنقید شائد تمکین کاظمی کے ذیلی بیان سے زیادہ بہتر الفاظ میں ممکن نہیں:

''یہ دیباچہ پوری کتاب سے زیادہ دل چسپ اور پطرس کے سارے مضامین سے زیادہ دل فریب ہے۔
مجھے یقین ہے کہ یہ قلم برداشتہ بلا فکر و تردد و بیک گردشِ قلم لکھا گیا ہے۔
اس لئے اس میں اختصار، حقیقت، طنز سبھی موجود ہے۔ خصوصاً آخری چوٹ تو ایسی بھرپور ہے کہ ہر مترجم قسم کا ادیب یا انشاپرداز تڑپ اٹھتا ہے۔
غور فرمایئے سینکڑوں کتابیں ایسی ترجمہ ہوتی ہے جو لٹریچر کے سر پر ایک بوجھ ہیں۔
کاش یہ مترجمین ترجمہ کرنے سے پہلے اہلِ ملک سے مشورہ کر لیتے۔نام بتاؤں تو آپ خفا ہوں گے۔
اس لئے ذرا اردو میں جو ترجمے سامنے سامنے ہیں انھیں دیکھ لیجئے پھر غور فرمایئے کہ پطرس نے کتنی زہریلی گولی شکر میں لپیٹ دی ہے۔''**(۱۹)**

حوالہ جات

1. Hobbes, Thomas, Human Nature in Works,)Molesworth:1840, vol 4), p46
2. Kant, Immanuel, Critique of Judgment, (2nd Ed), 1914, P-223
3. Eastman, Max, Enjoyment of Laughter, Newyork: Simon and Schuster, 1937, P 19
4. Stephen Leacock, Humor and Humanity, Newyork: H. Holt and company, 1938, P 233
5. IBID, P 11
6. Knox, A, Ronald, Essays on Satire, London: Sheed and Ward, 1930, P 31

۷۔ پطرس، احمد شاہ بخاری، پطرس کے مضامین، (دہلی: مکتبہ جامعہ نئی دہلی لمیٹڈ، ۲۰۰۱ء)، ص ۱۱۴۔

۸۔ ایضاً۔

۹۔ ایضاً، ص ۱۱۶۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۱۴۔

۱۱۔ ایضاً۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۱۴تا۱۱۵۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۱۸تا۱۱۹۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۱۶تا ۱۱۷۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۱۵۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۱۵:۱۱۶۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۱۵۔

۱۸۔ ایضاً، دیباچہ۔

۱۹۔ تمکین کاظمی، مضامین پطرس کا مطالعہ، مشمولہ: نقوش 'پطرس نمبر ۶۷۔۵۷'، (لاہور: ادارہ فروغِ اردو، ستمبر ۱۹۵۹ء)، ص ۱۳۴۔